

داروغہ میر واجد علی تسخیر اور نظیر آباد لکھنؤ کی وجہ تسمیہ

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

سلطنت میں دو ہزار تین سو درع و چھ کرہ آراضی واقع خیالی گنج لکھنؤ کے تحفہ کے طور پر عنایت کی۔ داروغہ مذکورہ اور سلطان محل ایک جان دو قالب ہو کر ایک ساتھ گولانچ میں مقیم رہے۔ ۹ شعبان ۱۱۷۵ھ (مطابق ۱۸۵۹ء) کو سلطان محل نے پچاس ہزار روپیہ کے پانچ قطعہ پرامیسری نوٹ اور جاگیر زمین داری جن کی آمدنی دو سو روپیہ ماہوار تھی اسی کے ساتھ دس ہزار روپیہ کے جواہرات اور باغ و مکاں مالیتی سات ہزار روپیہ جلوس مہندی و مجالس و دیگر مذہبی امور کے لئے وقف کر کے ایک وقف نامہ باقاعدہ تحریر کر دیا جس کی رو سے داروغہ میر واجد علی ولد محمد عباس اور ان کی اولاد وقف مذکور کی متولی قرار دی گئی۔ داروغہ میر واجد علی اپنی زندگی بھر مہندی اٹھاتے رہے۔ یہ مہندی ہر سال بموجب وقف نامہ بڑی دھوم سے ساتویں محرم کو نخاس کی سڑک سے اٹھ کر امام باڑہ داروغہ میر واجد علی، گولانچ جاتی ہے۔ داروغہ میر واجد علی کا انتقال ۱۴ دسمبر ۱۸۷۶ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ وہ اور سلطان محل دونوں امام باڑہ گولانچ مذکور میں مدفون ہیں۔

داروغہ میر واجد علی شعر و سخن کے دلدادہ بھی تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی اردو میں صاحب دیوان تھے لیکن اخلاف کی لاپرواہی سے شائع نہ ہو سکا اور آخر کار تلف ہو گیا۔ وہ غزل میں اسیر کے شاگرد تھے اور اسیر کی مناسبت سے اپنا تخلص تسخیر اختیار کیا۔

ذیل میں ایک غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔
نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہر و مہرباں ہو کر
زمین قبر کیوں پیسے نہ ہم کو آسماں ہو کر

داروغہ میر واجد علی مرحوم لکھنؤ کے امیر کبیر اور رئیس اعظم تھے، وہ دنیاوی جاہ و جلال اور صاحب اقتدار ہونے کے علاوہ بڑے مدبر، قابل منتظم، دور اندیش، اور فہم و فراست کے مالک تھے۔

میر واجد علی آخری تاجدار اودھ حضرت واجد علی شاہ جان عالم کی بیگم سلطان محل کی ڈیوڑھی کے داروغہ تھے۔ بادشاہ واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تو داروغہ صاحب حضرت محل کے مشیروں میں رہے، مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس بد نظمی کا انجام اچھا نہیں تو ازراہ دور اندیشی پھر انگریزوں کے ہوا خواہ ہو گئے۔ نواب سلطان محل اور داروغہ میر واجد علی دونوں نے مل جل کر غدر میں کئی انگریز خواتین کی جانیں بچائیں اور اس مہم میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ان خدمات کے صلے میں داروغہ صاحب کو سرکار سے ایک لاکھ روپیہ اور جاگیر وغیرہ بطور انعام ملی۔ اور وہ اس سرکاری اعزاز کی بدولت زمرد تعلقداران میں شامل ہو گئے۔ مرزا محمد کاظم رسالہ سوانح عمری میں میر واجد علی کی خدمات اور ان کے اعزاء کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں۔

”میر واجد علی نہایت دخیل کار و کار گزار بودند، بعد از رفع ایام غدریک لاکھ روپیہ و دیہات وغیرہ بہ میر واجد علی از سرکار انعام و خیر خواہان سرکار محسوب شد۔“

سلطان عالم واجد علی شاہ نے سلطان محل کو اپنے عہد

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح لطفوں کے پھندوں سے
 پڑا ہے پاؤں میں ان کا تصور بیڑیاں ہو کر
 لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلف پیچاں کی
 کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہو کر
 نہ کھینچ اب تیغ ابرودل نشانہ ہو چکا ظالم
 در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہو کر
 تلاش ناتھ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جاں اپنی
 اسی کی خاک پھرتی ہے غبار کارواں ہو کر
 ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پکیاں کا
 نہ مارا تم نے اک تیر نگہ ابرو کماں ہو کر
 جفا تیری وفا میری الم نثر ہے اب گھر گھر
 یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہو کر
 تمہیں پر ہم نے گل کھائے تمہیں نے قتل کر ڈالا
 اجاڑا تم نے خود گلزار اپنا باغباں ہو کر
 نہ حرف تلخ لب پر لایئے شیریں زباں ہو کر
 سخن میں رنگ و بو دکھلائے غنچہ دہاں ہو کر
 اسے دن رات پامالی اسے چکر میں بے حالی
 نہ یاں راحت زمیں ہو کر نہ آرام آسماں ہو کر
 عدم کے جانے والے منزل آخر پہ جا پہنچے
 میں تنہا رہ گیا پیچھے غبار کارواں ہو کر
 نزاکت کس قدر ہے پھول کے گبرے جو پہنے ہیں
 جھکے جاتے ہیں دونوں ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر
 دلا اگر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو
 بتادیں راستہ سیدھا تو جاواں لامکاں ہو کر
 تلون ہے طبیعت میں تمہاری کس قدر توبہ
 نہیں پھر ہو گئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں ہو کر
 نجف کی راہ لو تسخیر پھرتے ہو کہاں در در
 لگاؤ بستر مولیٰ کے در پر پاسباں ہو کر
 غزل کے علاوہ تسخیر مرثیہ بھی کہتے تھے:
 پہلے مشیر اور پھر مرزا دبیر کے شاگرد ہوئے۔ تسخیر اپنے

امام باڑہ گولانچ میں مرزا دبیر ہی کو پڑھواتے تھے۔ اکیسویں
 رمضان کی مجلس بھی یہیں مخصوص تھی۔ بقول ثابت لکھنوی جب
 مرزا صاحب نے ۱۸۷۲ء میں تسخیر کے امام باڑہ میں یہ مرثیہ
 پڑھا۔

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
 تو تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی اسی مجلس کے بارے
 میں یہ بھی مشہور ہے کہ دبیر نے جناب زینبؑ اور عون و محمد کے
 درمیان جو گفتگو نظم کی اس موقع پر انہوں نے ایک مصرع تین
 طرح سے پڑھا:-

کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی
 (۱) گھڑکی کے لہجے میں (۲) استفہامیہ طور پر (۳) تاسف
 اور حیرت کے لہجے میں اس مصرع پر اس قدر رقت ہوئی کہ دبیر
 بقیہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔

تسخیر محبت اہل بیت کے نشہ میں سرشار تھے۔ مجالس عزا
 میں امام مظلوم کے نام دل و جان سے ہزاروں روپیہ صرف
 کرتے تھے۔ ان کے امام باڑے میں مرزا دبیر کے علاوہ مرزا
 اوج بھی رونق افروز منبر ہوتے تھے۔ تسخیر مرثیہ کہتے تھے او
 اپنے استاد مرزا دبیر کے رنگ میں خوب جوہر دکھاتے
 تھے۔ ”نوحہ تسخیر“ کے نام (سے) ان کے پندرہ مراۃ ۱۳۳۵ھ
 میں مطبع دبیر احمدی لکھنؤ سے شائع ہوئے۔

”نوحہ تسخیر“ تسخیر کے مجموعہ مراۃ کا تاریخی نام
 ہے۔ ذیل میں ایک مرثیہ کے چند بند درج کئے جاتے ہیں۔
 نور رخ حسینؑ سے صحرا ہے نور نور
 ذروں کو دستیاب تجلی ہے طور طور
 قدسی قریں قریں ہیں بنی جان دور دور
 سنگ ثواب سے دل عصیاں ہے چور چور
 خورشید میں وہ نور نہ وہ ضو میں غرہ ہے
 باقی جو کچھ رہا ہے تو وہ ذرہ ذرہ ہے
 تحفہ درود کے لئے قدسی طبق طبق
 پڑھتے ہیں مدح مصحف ناطق ورق ورق

ہے نور رخ سے خاک پہ سرنی شفق شفق
حق آج شادشاہ ہے باطل عرق عرق
اعدا کا ظلم شاہ پہ گوفوج فوج ہے
دریائے رحم آپ کا یاں موج موج ہے
خوشبو گل رسول کے تن کی چمن چمن
قطرے نہیں پسینہ کے درہیں عدن عدن
شرمندہ لب سے لعل بدخشاں یمن یمن
شہرہ ہے مشک گیسوئے شہ کا ختن ختن
صحرا کے ہر شجر سے عیاں طور طور ہے
ذکر جمال سبط نبی دور دور ہے
تخیر ہر سال سترہویں ربیع الاول کو اعلیٰ پیمانے پر محفل میلاد
منعقد کرتے تھے اور اس میں میلاد نامہ پڑھا جاتا تھا۔ مرزا دبیر کے
انتقال کے کچھ دن بعد مرزا واج نے اپنا شہرہ آفاق میلاد نامہ
یہیں پڑھا تھا۔

ذیل میں ایک بند جس میں تخیر کا ذکر کیا گیا ہے پیش کیا جاتا ہے۔
توبہ ہزار توبہ (میں) کیا اور مرا کلام
پر ہے یہ بزم مولد پیغمبرانام
بانی کا اس کے سید واجد علی ہے نام
پڑھئے وہ نظم وجد کریں مل کے خاص و عام
مداحوں پر ائمہ کی تائید کب نہیں
گر صاحب الزماں کا گذر ہو، عجب نہیں
تخیر سبھی میلاد نامے کہتے تھے۔ ۱۲۹۲ھ (مطابق ۱۸۷۵ء)
(میں ایک مولود نامہ شائع ہوا اس کا مطلع یہ ہے۔

دنیا میں کس کے نور کا یارب ظہور ہے
کیوں آج سرد گری بازار طور ہے
زائل ہے کفر دین سے دل کو سرور ہے
سجدے میں خاک پر سر کبر و غرور ہے
دنیا میں آمدشہ گردوں جناب ہے
ہر ذرہ آج تاج سر آفتاب ہے
مولود نامہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخیر کو ساقی نامہ لکھنے

میں بھی مہارت حاصل تھی۔ ذیل میں چند بند درج کئے جاتے ہیں۔
ساقی یہ روز عید ہے مجھ کو پلا شراب
انگور خلد سے جو کھنٹی ہے وہ لا شراب
پھولوں مدام پی کے جسے وہ منگا شراب
رنگ اس کا لال لال ہو اور بے بہا شراب
لبریز کردے جام کو میرے شراب سے
مستی میں آکے چھین لوں تیغ آفتاب سے
وہ مے پلا کہ جس سے ہوا ایمان کو سرور
مے بادہ ظہور ہو اور جام جام نور
مستی سے میری دور ہو بد مستوں کا غرور
غلام ہوں پیش چشم تماشا بغل میں حور
ایماں کا نقشہ ہو، لب ساغر کو چوم کر
خطبہ غدیر خم کا پڑھوں جھوم جھوم کر
سب حق پرست جمع ہیں ہے مجمع طرب
مسرور بیٹھے ہیں لب ساغر پہ رکھے لب
مست می ولاہیں محب شہ عرب
کیا دخت رز کا کام وہ کیوں آئے بے سبب

مولود کا یہ روز ہے حوروں کا کام ہے
سب جلتی ہیں خلد میں سب کا مقام ہے
میر واجد علی تخیر کے دو بیٹے تھے۔ چھوٹے صاحبزادے
سید امیر حسن تخلص فروغ باپ کے مرنے کے بعد تلاش روزگار
کے سلسلے میں حیدر آباد گئے اور وہاں پیشہ وکالت اختیار کیا۔ یہ
تخیر کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے۔ فروغ حیدر آباد سے
ہر سال محرم کرنے کے لئے لکھنؤ آتے تھے اور یہاں عشرہ بڑی
دھوم سے کرتے تھے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے اور اس فن میں
مرزا دبیر کے خویش سید بادشاہ علی بقا کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ کے
عشرہ میں فروغ کو تصنیف مرثیہ خود پڑھتے تھے۔

تخیر کے بڑے صاحبزادے حاجی سید نظیر حسن لکھنؤ کے
تعلقہ داران اور روساء میں شمار ہوتے تھے۔ اردو میں شعر کہتے
تھے اور تنویر تخلص کرتے تھے وہ حکیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ خم

خانہ جاوید میں ان کا مختصر سا کلام درج ہے۔ تنویر نے پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ داروغہ میر واجد علی تسخیر نے انہی کے نام ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ میں امین آباد کے بالکل قریب نظیر آباد کی بنیاد ڈالی۔ یہاں پر ایک مسجد، کنواں، بازار و مکانات، اور ایک سرا بھی تعمیر کی گئی تھی۔

نظیر آباد میں سنگ مرمر کی ایک تختی لگائی گئی تھی جس پر قطعہ تاریخ بھی درج تھا۔ مسجد اور کنواں کا حال معلوم نہیں۔ ہم ذیل میں ”قطعہ تاریخ نظیر آباد“ مع نثری عبارت پیش کرتے ہیں جو اودھ اخبار نمبر ۱۴ جلد ۶ میں مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۶۳ء مطابق ۱۱ رمضان ۱۲۸۰ھ کو شائع ہوئی تھی۔

”قطعہ تعمیر نظیر آباد“

”داروغہ میر واجد علی صاحب نے کہ رئیس اعظم لکھنؤ سے ہیں متصل امین آباد اپنے فرزند ارجمند سید نظیر حسن صاحب زاد اللہ عمرہ و قدرہ کے نام سے مع مسجد و چاہ و گنج و بازار و مکانات و سرا نظیر آباد، آباد فرمایا جس کے قطعات تاریخ مؤلفہ سید محمد میر خاں امیر تخلص اخبار مطبوعہ ۲۳ دسمبر میں درج ہو چکے۔ اب قطعہ تاریخ تصنیف ترکی شاعر جو سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہو کر نظیر آباد میں لگائی گئی ہے واسطے تفریح طبع ناظرین اخبار کے درج ذیل کرتے ہیں۔“

تعالیٰ اللہ زہے ممتاز دوراں
سیادت منزلت واجد علی خاں
بنائے خیر انہیں مدنگہ ہے
سرا و چاہ و بازار اک جگہ ہے
نظیر سید ذیشان ہے فرزند
خوش اقبال و خوش اطوار و ہنر مند
جو پوچھو نام یہ شرح حسن ہے
نظیر ازل ہے بعد اس کے حسن ہے
مہ پر نور اوج عز و اقبال
جواں بخت و جواں دولت جواں سال

اسی کے نام کا بازار ہے یہ
نظیر آباد نیک آثار ہے یہ
یہیں بخت رسا ہے نام دلال
اسی بازار میں بکتا ہے اقبال
بعہد صاحبان نام آور
رعیت پرور و انصاف گستر
جناب و بفلک والا مناقب
جہاں پرور کمشنر چیف صاحب
کہ سرکوپر ہیں جوڈیشنل کمشنر
رئیس و فاضل و اشرف پرور
وہ بیرو صاحب عادل کمشنر
وہ چیئر لین ذی رتبہ مجسٹر
وہ کپیر صاحب ذی ہمت و جود
کمشنر کی جگہ پر ہیں جو موجود
خوشاڈپٹی کمشنر لین صاحب
کہ ہیں علم و ہنر ان کے مصاحب
بس اپنے قول کے پورے یہی ہیں
غرض انجیل کے سورے یہی ہیں
انہی کے عہد میں بازیب وزینت
نظر آئی ہے آبادی کی صورت
زکی نے نظم کی تاریخ بنیاد
جئے مالک، نظیر آباد آباد

۱۲۸۰ھ

(حوالے: قیصر التواریخ جلد دوم سید کمال الدین
حیدر، سوانح عمری، مرزا محمد کاظم، تاریخ اودھ جلد چہارم، خم خانہ
جاوید جلد دوم، بیگمات اودھ حیات دبیر، دربار حسین، دبستان
دبیر، اودھ اخبار مطبوعہ ۲۰ فروری ۱۸۶۳ء۔)

